

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں پر اسلامی قانون کا نفاذ کس حد تک ہوگا؟

سید جلال الدین عمری

رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد یہود کے مختلف قبائل سے، جو مدینہ کے اطراف میں آباد تھے، معاہدہ فرمایا تھا۔ اس معاہدہ کی رؤ سے انہیں داخلی طور پر اپنے معاملات طے کرنے اور اپنے دین و مذہب پر عمل کرنے کی آزادی حاصل تھی، البتہ ریاست کے دفاع اور اس کے تحفظ میں وہ مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے۔ اس لحاظ سے وہ اسلامی ریاست مدینہ کا ایک حصہ بھی تھے اور ان کی جداگانہ حیثیت بھی تھی۔ اس وجہ سے بعض حضرات نے یہودی آبادی کو ایک الگ آزاد ریاست قرار دیا ہے، اس کے لیے وہ 'دار الحرب' (غیر اسلامی ریاست) کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، جس کا دار الاسلام سے معاہدہ امن تھا۔ بعض دوسرے اصحاب علم نے یہودیوں کو ایک ہی اسٹیٹ کے اندر پائی جانے والی آزاد قوم کی حیثیت دی ہے۔ گویا اس کی حیثیت ریاست کے اندر ریاست کی تھی۔ اس موضوع سے متعلق آیات کی تشریح اور احکام کے بیان میں ان دونوں رایوں کا اظہار ہوتا ہے۔

اس سے دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اسلامی ریاست کا کسی غیر

۱۔ ملاحظہ ہو راقم کی کتاب 'غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق' طبع دوم ص: ۲۷۱-۲۷۳،

مطبوعہ ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ

اسلامی ریاست سے معاہدہ امن یا معاہدہ صلح ہو اور وہ اپنے کسی (مذہبی) معاملہ میں اسلامی ریاست کی طرف رجوع کرے اور اس کا فیصلہ چاہے تو اس کے لیے فیصلہ کرنا ضروری ہے، یا وہ اس میں دخل دینے سے انکار بھی کر سکتی ہے؟ اگر فیصلہ کرے تو کیا اس ریاست کے (مذہبی) قانون کے تحت فیصلہ کرے گی یا اسلامی قانون کے تحت فیصلہ سنائے گی؟

دوسرے یہ کہ جو غیر مسلم اسلامی ریاست کے شہری ہیں کیا ان پر بھی اسلامی قانون پوری طرح نافذ ہوگا، یا وہ اپنے مذہبی امور میں آزاد ہوں گے؟ آزاد ہوں گے تو کس حد تک؟

آئندہ صفحات میں ان دونوں پہلوؤں سے متعلق اسلامی نقطہ نظر جاننے کی کوشش کی جائے گی۔

اہل صلح کے نزاعات کا فیصلہ لازم نہیں ہے

یہود توریت پر ایمان کے دعوے دار تھے۔ وہ اپنے معاملات اس کے مطابق طے کر سکتے تھے، لیکن اس کا کوئی حکم ان پر شاق گزرتا اور وہ اس سے بچنا چاہتے تو اس کی ایک تدبیر یہ اختیار کرتے کہ رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کے طالب ہوتے۔ مقصد یہ ہوتا کہ توریت کے قانون کے مقابلے میں اس میں آسانی ہو تو اسے اختیار کر لیا جائے، ورنہ رد کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں حکم ہوا:

سَمْعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَلُونَ لِلسُّحْتِ	(احبار و رہبان کے) جھوٹ کو کان لگا کر
فَإِنْ جَاؤُكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ	سننے والے اور بری طرح حرام کھانے
أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ	والے، اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو تمہیں
فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا وَإِنْ حَكَمْتَ	اختیار ہے کہ ان کے درمیان فیصلہ کرو یا ان
فَاحْكُم بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ	سے اعراض کرو۔ اگر تم ان سے اعراض کر لو

غیر مسلموں پر اسلامی قانون کا نفاذ

تو تمہیں یہ نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اگر فیصلہ کرو تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (المائدہ: ۴۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی ریاست کا کسی غیر اسلامی ریاست سے معاہدہ امن و صلح ہو تو اسلامی ریاست اس کے معاملات میں دخل نہیں دے گی، لیکن وہ اپنے کسی معاملہ میں اسلامی ریاست کی طرف رجوع کرے تو اسلامی ریاست کو فیصلہ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہے۔ اپنے حالات اور مصالح کے تحت وہ مقدمہ کا فیصلہ کر بھی سکتی ہے اور اس سے انکار کا بھی اسے اختیار ہے، لیکن جب بھی فیصلہ کرے گی، حق و انصاف کے مطابق کرے گی۔ اس سلسلے میں آگے چل کر فرمایا:

اور ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی نگہبان اور محافظ ہے۔ پس آپ ان کے درمیان اس کتاب کے مطابق فیصلہ کیجیے جو اللہ نے نازل کی ہے اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور طریقہ رکھا ہے۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا..... (المائدہ: ۴۸)

مزید تاکید کے ساتھ فرمایا:

اور فیصلہ کرو ان کے درمیان اس کتاب کے مطابق جو اللہ نے نازل کی ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو اور ان سے بچے رہو کہ اللہ نے جو دین تم پر نازل کیا ہے کہیں اس کے کسی حکم سے وہ تمہیں پھیر نہ دیں۔

وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ..... (المائدہ: ۴۹)

ان آیات میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے یہود و نصاریٰ کو ان کے مناسب حال شریعتیں دی گئی تھیں اور ان پر عمل کا انہیں پابند بنایا گیا تھا۔ اسی طرح ہر قوم کے لیے الگ شریعت رہی ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے۔ یہ دوسری آسمانی کتابوں کی نگراں اور محافظ ہے جو بتاتی ہے کہ ان کتابوں اور شریعتوں میں کیا تحریف اور ترمیم ہوئی ہے اور کس طرح اللہ کے احکام کو بدلا گیا ہے۔ اس کا کتنا حصہ محفوظ اور کتنا غیر محفوظ ہے۔ اس کتاب کے آنے کے بعد سابقہ تمام شریعتیں منسوخ ہو گئیں، اب آپ کسی دوسری ہدایت یا دوسری شریعت کے پابند نہیں ہیں، آپ تمام معاملات کا فیصلہ اس کتاب کے مطابق کریں۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان آیات کے ذریعہ آیت: ۴۲ کا حکم منسوخ ہو گیا، جس میں آپ کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ اب آپ کے لیے ان کے مقدمات کا فیصلہ کرنا لازم ہے لیکن یہ خیال درست نہیں معلوم ہوتا، اس لیے کہ یہ ایک ہی سلسلہ بیان ہے۔ اس میں بعض آیات کو ناسخ اور بعض کو منسوخ قرار دینے کا کوئی مضبوط قرینہ نہیں ہے۔ ان دونوں آیات میں غیر مسلموں کے دو الگ طبقات کا ذکر ہے۔ اس کی وضاحت بعض دوسرے اہل علم نے اس طرح کی ہے کہ آیت: ۴۲ اہل صلح یا اہل موادع سے متعلق ہے۔ ان کے معاملات آپ کے سامنے آئیں تو آپ کو فیصلہ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار تھا، لیکن بعد کی آیات ذمیوں سے متعلق ہیں۔ ان کے معاملات کا فیصلہ کرنا آپ کے لیے لازم تھا، علامہ ابو بکر جصاص حنفیؒ کہتے ہیں:

”ان آیات میں ناسخ و منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں ہے، جس آیت میں آپ کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اس کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو اسلامی ریاست کے شہری نہیں ہیں۔ اسلامی ریاست کی اگر دار الحرب سے صلح ہے اور وہ کسی معاملہ میں اسلامی ریاست کا فیصلہ چاہے تو وہ (اپنے مصالح کے پیش نظر) فیصلہ کر بھی سکتی ہے اور یہ بھی کہہ سکتی ہے کہ وہ اپنے قوانین کے تحت خود فیصلہ کر لیں، لیکن جو

لوگ اسلامی ریاست کے ذمی ہیں وہ بہر حال اسلامی قوانین کے پابند ہوں گے“
علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں:

”یہود اہل صلح تھے، ذمی نہیں تھے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو ان سے صلح کی تھی، ہمارے لیے کفار (غیر مسلموں) کے درمیان فیصلہ کرنا، اگر وہ ذمی نہیں ہیں تو واجب نہیں ہے، البتہ ہم چاہیں تو فیصلہ کر سکتے ہیں“۔ ۲

امام رازیؒ کہتے ہیں:

”اسلامی ریاست کا کسی غیر اسلامی ریاست سے خاص مدت کے لیے معاہدہ ہو تو ریاست کے حاکم کے لیے لازم نہیں ہے کہ معاہدہ قوم کے معاملات میں فیصلہ کرے۔ اسی اختیار کا آیت ۴۲ میں ذکر ہے جو معاہدہ قوم کے ساتھ مخصوص ہے“۔ ۳

ابو حیان اندلسیؒ کہتے ہیں:

”امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ ذمی اگر اپنا مقدمہ مسلمان حاکم کے پاس لائیں تو فیصلہ کرنا واجب ہے۔ باقی رہے معاہدہ جن کا مسلمانوں کے ساتھ خاص مدت کے لیے معاہدہ ہو، ان کے معاملات کا فیصلہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ ان کے سلسلے میں حاکم کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوگا۔ اسی اختیار کا آیت ۴۲ میں ذکر ہے۔ یہ معاہدہ ان کے ساتھ مخصوص ہے“۔ ۴

علامہ رشید رضا مصریؒ کہتے ہیں:

”ان آیات کا سلسلہ کلام ایک ہے۔ ان میں کسی کو ناخن اور کسی کو منسوخ ماننا

- ۱۔ بصاص کے الفاظ ہیں۔ التخییر فی اهل العهد الذین لادعة لهم ولم یجر علیهم احکام المسلمین کاهل الحرب اذا هادناهم وایجاب الحکم بما أنزل الله فی اهل الذمة الذین یجرى علیهم احکام المسلمین۔ بصاص، احکام القرآن: ۵۳۳/۲۔ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۱۹۹۴ء
- ۲۔ قرطبی، الجامع لأحكام القرآن: ج ۳، جزء ۶، ص: ۱۲۰، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۱۹۸۸ء
- ۳۔ رازی، مفتاح الغیب (تفسیر کبیر) ج ۶، جزء ۱۱، ص: ۱۸۶، طبع دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۱۹۹۰ء
- ۴۔ ابو حیان، المحرر المحیط، ۵۰۲/۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، ۱۹۹۳ء

صحیح نہیں ہے۔ آیت کے ذیل میں رائج قول بھی ہے کہ حاکم کو فیصلے کا اختیار معاہدین کے سلسلے میں حاصل ہے، ذمیوں کے سلسلے میں نہیں ہے۔ اس لحاظ سے مسلمان حکام کے لیے ان اجنبیوں کے معاملات میں فیصلہ کرنا، جو ملک میں موجود (یا اس کے شہری) نہیں ہیں، ضروری نہیں ہے، لیکن اہل ذمہ ہماری طرف رجوع کریں تو ان کے معاملات کا فیصلہ کرنا لازم ہے“^۱

ذمیوں کے درمیان فیصلہ کرنا لازم ہے:

اس سے واضح ہے کہ اس بحث کا تعلق اہل صلح یا اہل موادعہ سے ہے، وہ اگر کسی معاملہ میں اسلامی ریاست کی طرف رجوع کریں تو ضروری نہیں کہ اسلامی ریاست اس کا فیصلہ کرے۔ حالات کے لحاظ سے اسے فیصلہ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار حاصل رہے گا۔ ذمیوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ وہ اسلامی ریاست کے شہری ہیں۔ وہ اگر ایک دوسرے کے حقوق تلف کریں اور ظلم و زیادتی کا ارتکاب کریں یا فریقین میں سے ایک مسلمان اور دوسرا ذمی ہو تو اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ان کے درمیان عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ کرے۔ قاضی بیضاویؒ کہتے ہیں:

”اگر قاضی کے سامنے دو ذمیوں کا مقدمہ پیش ہو یا ان میں کا ایک ذمی اور دوسرا مسلمان ہو تو صحیح بات یہ ہے کہ اس کا فیصلہ کرنا واجب ہے۔ کیوں کہ ہم نے اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے کہ ذمیوں کا دفاع کریں گے اور ان پر ظلم ہو تو اسے دور کریں گے۔ آیت ۴۲، جس میں فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، اس کا تعلق ذمیوں سے نہیں ہے“^۲

علماء نے لکھا ہے کہ اگر مقدمہ مسلمان اور ذمی کا ہو تو اسلامی ریاست کے لیے اس کا فیصلہ کرنا واجب ہے۔ علامہ بغویؒ کہتے ہیں:

”اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر ہمارے سامنے مسلمان اور ذمی کا

^۱ رشید رضا، تفسیر المنار، ۳۳۹/۶، دار المعرفۃ، بیروت لبنان، ۱۹۹۳ء

^۲ بیضاوی، انوار الشریعہ و اسرار التاویل، ۱/۲۶، دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان ۱۹۸۸ء

غیر مسلموں پر اسلامی قانون کا نفاذ

۱۱

مقدمہ پیش ہو تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے، اس لیے کہ مسلمان کے لیے اہل ذمہ کے فیصلے کا قبول کرنا جائز نہیں ہے^۱ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے صراحت کی ہے:

وإذا تحاكم مسلم و ذمی وجب
الحکم بینہم بغیر خلاف لأنہ
يجب دفع ظلم کل أحد منہما
عن صاحبه ۱۔
مسلمان اور ذمی فیصلے کے لیے آئیں تو
ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔
اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس لیے
کہ ان میں سے جو بھی کسی پر ظلم کرے
اسے دفع کرنا واجب ہے۔

یہ بات طے ہے کہ اسلامی عدالت جو فیصلہ کرے گی وہ اسلامی شریعت کے مطابق کرے گی۔ کسی دوسرے مذہبی یا ملکی اور ملتی قانون کا اتباع اس کے لیے جائز نہیں ہے۔

قرآن مجید نے اس ذیل میں صراحت کر دی ہے۔
وَأَن احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ
وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ (المائدہ: ۴۹)
فیصلہ کرو ان کے درمیان اس قانون کے
مطابق جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی
خواہشات کی اتباع نہ کرو۔

علامہ ماوردیؒ ان علماء میں ہیں جن کا خیال ہے کہ المائدہ آیت ۴۲ میں اہل کتاب کے مقدمات کا فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا جو اختیار دیا گیا تھا وہ اس آیت کے ذریعہ ختم ہو گیا۔ فرماتے ہیں: اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مقدمات ہم اپنے قانون شرع کے مطابق کریں گے:

هذا يدل على وجوب الحكم بين
أهل الكتاب إذا تحاكموا إلينا
یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل کتاب اگر
ہماری طرف رجوع کریں تو ان کے

۱۔ بغوی، معالم التنزیل علی ہامش الجازن: ۲۷۴/۲، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان ۱۹۹۵ء

۲۔ ابن قدامہ، المغنی: ۳۸۳/۱۲۔ مطبع جبرقاہرہ، طبع دوم ۱۹۹۲ء

وان لانحکم بینہم بتوراتہم
ان کے توریت اور انجیل کے مطابق فیصلہ
نہیں کریں گے۔

علامہ ابن کثیرؒ اس حکم کو اہل کتاب کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھتے، بلکہ اسے وسیع
معنی میں لیتے ہیں۔ کہتے ہیں:

أى فاحكم بينهم يا محمد بين
الناس عربهم وعجمهم وأميهم
وكتابهم بما أنزل الله إليك فى
هذا الكتاب العظيم وبما قرره لك
من حكم ما كان من قبلك من
الأنبياء ولم ينسخه فى شرعك .

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد ﷺ آپ
لوگوں کے درمیان چاہے وہ عرب ہوں یا عجم،
آمی (ناخواندہ) ہوں یا اہل کتاب، فیصلہ اس
کتاب عظیم کے مطابق کیجیے جو اللہ نے آپ
پر نازل کی ہے اور جو آپ سے پہلے کے
انبیاء ہیں ان کی ان تعلیمات کے مطابق
کیجیے جنہیں اللہ نے آپ کی شریعت میں
باقی رکھا ہے اور منسوخ نہیں کیا ہے۔

ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ آیت کی یہی توجیہ امام طبرئیؒ نے کی ہے۔ ۲
حقیقت یہ ہے کہ اسلامی ریاست کی اساس اللہ کی کتاب اور اس کے رسول
کی سنت ہے۔ وہ اس کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ چنانچہ ان ہی آیات کے
ذیل میں کہا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کی کتاب اور اس کے نازل کردہ قانون کے مطابق
فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں (آیت: ۴۵) ظالم ہیں (آیت: ۴۶) اور فاسق ہیں (آیت: ۴۷)
ان آیات میں براہ راست اہل کتاب کو تنبیہ اور توبیخ کی گئی ہے، لیکن اس میں اہل
ایمان کے لیے بھی ہدایت ہے کہ وہ اپنے فیصلوں میں اسلامی قانون سے انحراف نہ
کریں اور اس کے تابع رہیں۔

۱۔ ماوردی، النکت والعیون: ۴۷۱/۱، مطابع مقبہوی الکویت، طبع اول ۹۸۲ء

۲۔ ابن کثیرؒ، تفسیر القرآن العظیم: ۶۶/۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان ۱۹۶۹ء

ذمیوں پر اسلامی قانون کا کس حد تک نفاذ ہوگا؟

ذمیوں کے متعلق ایک اہم سوال یہ ہے کہ وہ اسلامی ریاست میں اسلامی قانون کے ہر معاملہ میں پابند ہوں گے یا انہیں کسی دائرے میں اپنے معاملات طے کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی آزادی حاصل ہوگی؟
ذمی اپنے پرسنل لا پر عمل میں آزاد ہوں گے:

اس معاملہ میں اسلامی قانون یہ ہے کہ ذمی اپنے مذہب پر عمل کے لیے آزاد ہیں۔ وہ عبادت گاہیں اپنی آبادیوں میں تعمیر کر سکتے ہیں اور انہیں آباد رکھ سکتے ہیں۔ جہاں تک ان کے نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ عائلی قوانین، جنہیں پرسنل لا کہتے ہیں، کا تعلق ہے، اس میں وہ آزاد ہوں گے۔ البتہ اسلامی عدالت سے وہ کوئی فیصلہ کرنا چاہیں تو وہ اسلامی قانون کے تحت فیصلہ کرے گی، ان کے قانون کی اتباع نہ کرے گی۔ اس موضوع پر علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس کے نکات یہاں پیش کیے جا رہے ہیں:

۱۔ اسلام کے نکاح و طلاق کے قوانین، اگر وہ چاہیں تو ان کے لیے بھی ہوں گے، جیسے طلاق، ظہار، ایلاء، مہر کا وجوب، بیویوں کے پاس شب باشی کی مساوی تقسیم، مطلقہ عورت کے سابق شوہر کے لیے حلال ہونے کی شرعی صورت، احسان، (آدمی کا شادی شدہ ہونا) وغیرہ۔ اسی طرح جو رشتے مسلمانوں کے لیے حرام ہیں وہ ان کے لیے بھی حرام ہوں گے۔

۲۔ ان کے جو نکاح اسلامی شریعت کے لحاظ سے ناجائز اور حرام چلے آ رہے ہیں ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ ہم انہیں دو شرطوں کے ساتھ باقی رکھیں گے: ایک یہ کہ وہ اس معاملہ میں ہماری طرف رجوع نہ کریں، ورنہ ہم اپنے قانون کے تحت فیصلہ کریں گے، دوسری شرط یہ کہ وہ نکاح خود ان کے مذہب اور عقیدے کے لحاظ

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھی جائے راقم کی کتاب 'غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق'

سے جائز ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے مجوس سے جزیہ لیا، لیکن ان کے نکاح اور ازدواجی قوانین سے تعرض نہیں کیا، جب کہ یہ بات معلوم تھی کہ وہ اسلامی نقطہ نظر سے محرمات سے نکاح کو جائز سمجھتے ہیں۔

یہی بات علامہ ابن قیمؒ نے احکام اہل الذمہ میں بھی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ذمی اپنے عائلی مسائل کا فیصلہ اسلامی ریاست سے کرانا چاہیں تو وہ اسلامی قانون کے تحت فیصلہ کرے گی، لیکن اگر وہ ان معاملات میں اس کی طرف رجوع نہ کریں اور اپنے مذہبی قوانین پر عمل کرنا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیں تو انہیں اس کا حق حاصل رہے گا۔ امام زہریؒ کہتے ہیں۔

مضت السنة أن يرد أهل الكتاب
في حقوقهم ومواردتهم إلى
أهل دينهم إلا أن يأتوا راغبين
في حكم الله فيحكم بينهم
بكتاب الله۔ ۳

سنت یہ رہی ہے کہ اہل کتاب کو ان کے حقوق اور وراثت کے معاملہ میں ان کے مذہبی ذمہ داروں کی طرف لوٹا دیا جائے گا (کہ وہ ان کے فیصلوں پر عمل کریں) لیکن اگر وہ اللہ کے حکم کے تحت فیصلہ کے لیے ہمارے پاس بخوشی آئیں تو اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

۳۔ قرض یا لین دین کے معاملات میں اسلامی قانون کے تحت ان کے نزاعات کا فیصلہ لازماً کیا جائے گا اس لیے کہ ظلم اور فساد کو ختم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے۔

۴۔ انہیں معاشرہ میں فساد پھیلانے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس کے لیے اسلامی قانون کے وہ پابند ہوں گے، ان سے ہمارا معاہدہ یہ نہیں ہے کہ وہ فساد پھیلانے کے لیے

۱۔ ابن قدامہ، المغنی: ۳۳۱۰

۲۔ ابن قیم، احکام اہل الذمہ: ۶۴۲۔ مطبع مادی سعودی عرب ۱۹۹۷ء

۳۔ قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، جلد ۳، جزء ۶، ص: ۱۲۱

۴۔ حوالہ سابق

ہیں، فساد چاہے وہ کریں یا کوئی اور، اسے ختم کرنا بہر حال ضروری ہے، اس سے (خود) ان کے جان و مال محفوظ ہوں گے۔ اگر ان کے مذہب میں اس کی اجازت ہو تو بھی اسلامی ریاست اس کی اجازت نہ دے گی، اسی وجہ سے ہم انہیں برسرِ عام شراب کا کاروبار کرنے یا زنا اور بدکاری پھیلانے سے منع کریں گے، ورنہ عام مسلمانوں میں بھی یہ چیزیں پھیل سکتی ہیں۔^۱

امام ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ ذمی کھلے عام فحش کاموں کا ارتکاب کریں، مثال کے طور پر زنا اور لواطت جیسے اعمال یا وہ سودی کاروبار کرنے لگیں تو انہیں اس سے باز رکھا جائے گا۔ اس لیے کہ نکاح کی طرح یہ ان کا ذاتی معاملہ نہیں ہے، بلکہ اس کا اثر پورے معاشرہ پر پڑ سکتا ہے، اس لیے اس کی انہیں اجازت نہ ہوگی۔^۲

اس معاملہ میں احناف کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بیوع، تجارت، لین دین کے معاملات اور وراثت وغیرہ میں ذمی اسلامی احکام کے پابند ہوں گے، البتہ انہیں شراب اور خنزیر کی خرید و فروخت کی اجازت ہوگی۔ اس لیے کہ یہ ان کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہے، لیکن مسلمانوں کی طرح انہیں بھی زنا اور بدکاریوں کی اجازت نہ ہوگی، ان کے جو نکاح پہلے ہو چکے ہیں ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر وہ ہماری طرف رجوع کریں تو اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔^۳

علامہ ابو بکر بھصاؒ نے زیادہ تفصیل سے اس پر گفتگو کی ہے۔ فرماتے ہیں:

”احناف کی رائے یہ ہے کہ بیع (خرید و فروخت) وراثت اور تمام کاروباری معاہدوں میں مسلمانوں کی طرح ذمی بھی احکام اسلام کے پابند ہوں گے، البتہ انہیں اپنے درمیان شراب اور خنزیر کی خرید و فروخت کی اجازت ہوگی۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک یہ چیزیں مالِ شار ہوتی ہیں، اگر ان کی خرید و فروخت، اس میں تصرف اور اس

^۱ قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، جلد ۳، جزء ۶، ص: ۱۲۱

^۲ ابن قیم، احکام أهل الذمۃ: ۷۵/۲

^۳ آلوسی، روح المعانی: جلد ۳، جزء ۶، ص: ۳۰۰، دار الکتب العلمیۃ لبنان ۱۹۹۴ء

سے انتفاع ان کے لیے جائز نہ ہو تو یہ چیزیں ان کے لیے مال نہ ہوں گی۔ اگر کوئی انہیں ختم کر دے تو اس پر تاوان لازم نہ آئے گا، حالاں کہ اس بارے میں، ہمارے علم کی حد تک، فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص ذمی کی شراب ختم کر دے تو اس کی قیمت اسے ادا کرنی ہوگی، چنانچہ یہی بات حضرت عمرؓ نے اپنے گورنروں کو لکھی تھی کہ ذمیوں کو ان چیزوں کی خرید و فروخت کی اجازت دی جائے، اس سے جو منافع انہیں حاصل ہوں اس سے عشر (زمین کا ٹیکس) لیا جائے، ان کے علاوہ باقی معاملات میں وہ ہمارے احکام کے پابند ہوں گے۔! جہاں تک ان کے ازدواجی رشتوں اور نکاح کا تعلق ہے، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا، ہاں زوجین کسی معاملہ میں ہمارا فیصلہ چاہیں تو ہم اپنے قانون کے تحت فیصلہ کریں گے، لیکن اگر دونوں میں سے کوئی ایک اس کے لیے آمادہ نہ ہو تو ہم فیصلہ نہیں کریں گے۔۲

امام ابوحنیفہؒ کی اپنے مسلک کے حق میں دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر (بحرین) کے مجوس سے جزیہ لیا، حالاں کہ یہ بات آپ کے علم میں تھی کہ وہ محرمات سے نکاح کو جائز سمجھتے ہیں، آپ نے اس طرح کے رشتوں کے درمیان تفریق کا حکم نہیں دیا، اسی طرح یہود و نصاریٰ بہت سے ان رشتوں کو حلال تصور کرتے ہیں جو ہمارے نزدیک حرام ہیں، آپ نے اہل نجران اور وادی قرئی کے لوگوں کو ذمی بنایا اور ان سے جزیہ لیا، لیکن ان کے ان رشتوں کو ختم کرنے کا حکم نہیں دیا۔

آپ نے ان کے ان رشتوں کو بھی باقی رکھا اور انہیں اپنے مذہب اور عقیدہ پر بھی قائم رہنے دیا، حالاں کہ وہ ہمارے نقطہ نظر سے فاسد اور باطل ہے، اسی طرح حضرت عمرؓ نے عراق کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں کے ازدواجی رشتوں کو

۱۔ بصاص، احکام القرآن: ۵۴۲، ۵۴۳

۲۔ ایک جزوی مسئلہ یہ ہے کہ اگر بغیر گواہوں کے یا زمانہ عدت میں ان کا نکاح ہو گیا ہے تو تفریق نہیں کرائی جائے گی۔

باقی رکھا، یہ بات ثابت نہیں ہے کہ محرمات سے ان کے جو رشتے ہو گئے تھے ان کے درمیان تفریق کرائی ہو۔ حضرت عمرؓ کے بعد امت کا ہمیشہ اس پر عمل رہا ہے اور اسی کو اس نے اپنایا ہے۔

اس سے دو باتیں بالکل واضح ہیں:

۱۔ اسلامی ریاست میں اسلامی قانون کی حیثیت ملکی قانون کی ہوگی۔ ریاست کا ہر شہری، مسلمان ہو یا غیر مسلم (ذمی) اس کا پابند ہوگا، اسی کے مطابق ان کے معاملات طے ہوں گے، حدود و تعزیرات بھی نافذ ہوں گی۔ (فقہاء احناف کے نزدیک شادی شدہ غیر مسلم کو زنا کے ارتکاب پر رجم کی سزا نہیں دی جائے گی۔ اس پر بحث آئندہ آئے گی)

۲۔ نکاح اور ازدواجی تعلق کے معاملہ میں ذمی اسلامی قانون کے پابند نہیں ہیں۔ وہ اپنے مذہب اور طریقہ پر عمل کر سکتے ہیں۔ ہاں اگر وہ ان امور میں اسلامی ریاست کی طرف رجوع کریں تو اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا (احناف کے ہاں فیصلہ کرنا ضروری ہے)

بعض فقہاء کے ہاں ذمیوں کو اس سے زیادہ حقوق اور اختیارات دیے گئے ہیں۔ وہ یہ کہ ذمی اگر ہماری طرف رجوع بھی کریں تو فیصلہ کرنا ضروری نہیں ہے، اسے ان کے مذہبی رہنماؤں کے حوالہ کیا جاسکتا ہے، چنانچہ ابن خویز منداد کے حوالے سے علامہ قرطبی مالکیؒ کہتے ہیں:

”ذمی اگر ایک دوسرے کے خلاف شکایت کریں اور مدد طلب کریں تو حاکم انہیں عدالت میں طلب نہیں کرے گا، (بلکہ انہیں اپنے معاملات خود طے کرنے کے لیے کہے گا) وہ اپنے مذہبی امور میں ہمارے قانون کے پابند نہیں ہیں، انہیں اس کا پابند بنانے میں ایک تو ان کے مذہبی امور کے نگرانوں اور حکام کا نقصان ہوگا اور دوسرے یہ

۱۔ ایک جزوی مسئلہ یہ ہے کہ اگر بغیر گواہوں کے یا زمانہ عدت میں ان کا نکاح ہو گیا ہے تو تفریق نہیں کرائی جائے گی۔

کہ یہ ان کے مذہب میں ترمیم ہوگی۔ ان معاملات میں اگر وہ ہمارا فیصلہ قبول کرنے کے لیے تیار ہوں تو بھی حاکم کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا بہر حال اختیار رہے گا، البتہ وہ جب فیصلہ کرے گا تو اسلامی قانون کے مطابق کرے گا۔^۱

بعض فقہاء نے اس معاملہ میں ذمیوں کے مذہبی رہنماؤں کے اتفاق کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔ علامہ ابو حیان اندلسی کہتے ہیں:

”فَإِنْ جَاءَ وَكَ فَاسْخُكُمُ بَيْنَهُمْ أَوْ اَعْرَضَ عَنْهُمْ کے الفاظ بظاہر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ دعویٰ کرنے والے دونوں فریق حاکم کے پاس آئیں اور اس کے فیصلے پر رضامندی ظاہر کریں تو فیصلہ کیا جاسکتا ہے، فیصلہ کے لیے یہ بات کافی ہے۔ لیکن ابن قاسم کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ ان کے مذہبی رہنماؤں کا بھی اس کے لیے آمادہ ہونا ضروری ہے، اگر مذہبی رہنما راضی ہو جائیں اور فریقین راضی نہ ہوں، یا فریقین راضی ہوں اور مذہبی رہنما راضی نہ ہوں تو حاکم کے لیے فیصلہ کرنا صحیح نہ ہوگا“^۲

اس سے واضح ہے کہ اسلامی ریاست میں ذمیوں پر بھی اسلامی قانون نافذ ہوگا۔ لیکن انہیں اپنے پرسنل لا پر عمل کی آزادی ہوگی، اس میں ان کے مذہبی رہنماؤں کو بھی خاص اختیارات دیے جاسکتے ہیں، اس کے لیے ریاست قانون وضع کر سکتی ہے۔

۱۔ قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، جلد ۳، جزء ۶، ص: ۱۲۱

۲۔ ابو حیان اندلسی، البحر المحیط، ۵۰۲، ۳